# مزدوری کی سائیکل

وسیم صدیقی (کویت)

اس نے گربچن سنگھ کی دروازے کی کنڈی کھٹکھٹائی آ گئے منگلو۔ انہوں نے دروازے پر کھڑے ہوئے آدمی سے کہا اور کلائی پر بندھی گھڑی کی طرف دیکھا، صبح کے آٹھ بج رہے تھے۔ منگلو تمہارے پاس تو گھڑی بھی نہیں ہے تب بھی تم روزانہ ٹھیک وقت پر کیسے آجاتے ہو۔ ایک منٹ بھی دیر نہیں۔ منگلو جواب دینے کے بجائے خوش ہو کر مسکرا دیے تھے، منگلو ایک نوجوان مزدور تھا جو گربچن سنگھ کے یہاں پچھلے پندرہ دن سے مزدوری کر رہا تھا۔ سردار جی اپنے دومنزلہ مکان کو تین منزلہ کروا رہے تھے۔ اور منگلو دن بھر بڑی جفاکشی کے ساتھ اینٹیں ڈھوتا رہتا تھا۔ شام کو سردار جی اسے روز کے روز مزدوری بارہ روپے دے دیتے تھے جسے وہ اپنی پسینے سے بھیگی جیب میں رکھ کر اپنے گاؤں کی طرف روانہ ہو جاتا تھا۔ اس کا گاؤں شہر سے چھ کلومیٹر کی دوری پر تھا۔ سالوں سے وہ گاؤں سے روز شہر مزدوری کرنے آتا تھا۔ ہاتھ پیر کا اچھا تھا اس لئے اسے کہیں نہ کہیں مزدوری مل جاتی تھی۔ بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ کبھی اسے کام نہ ملا ہو اور اسے مایوس گاؤں واپس لوٹ جانا پڑا ہو۔

صبح جب وہ شہر آتا تھا تو اس گاؤں سے شہر کا چھ کلومیٹر کا راستہ پیدل طے کرنے میں کسی پریشانی کا احساس نہیں ہوتا تھا لیکن شام کو جب دن بھر کی جفاکشی کے بعد پیدل گاؤں لوٹنا پڑتا تھا تو اسے کافی تھکاوٹ ہو جاتی تھی، اس کے بعد وہ سوچنے لگتا تھا کہ کس طرح سے جلد سے جلد وہ سائیکل خرید لے۔ اور پھر وہ اپنی ۱۲ روپے روز کی قلیل آمدنی میں سے کچھ نہ کچھ روپیہ روز سائیکل کے لئے الگ سے بچا کر رکھنے لگا، اس کے بعد جب دن بھر کا تھکا ماندا سونے کے لئے لیٹتا تھا تو اکثر رات بھر وہ سائیکل کے خواب دیکھتا رہتا تھا، کبھی نئی چمچماتی سائیکل پر بیٹھا اسے تیزی سے دوڑا رہا ہے یا کبھی سائیکل پر بیٹھا آسمان پر اڑ رہا ہے۔ اکثر و بیشتر وہ اپنے ٹین کے بکسے میں جمع کئے ہوئے روپیہ نکال کر گنا کرتا تھا۔ کہ اب اسے سائیکل کے لئے کتنا اور جمع کرنا ہے۔ اس نے دوکان سے معلوم کر رکھا تھا کہ سائیکل کے دام پورے چار سو روپیہ تھے۔ اس نے آج روپیہ گنے پورے ۳۵۰ روپے ہو گئے تھے۔ یہ پیسہ جمع کرنے میں اسے کتنا عرصہ لگ گیا تھا، اسے کچھ خوشی کا احساس ہوا۔ اب صرف ۵۰ روپے کی ضرورت تھی جسے وہ دو تین مہینہ کے اندر تو جمع ہی کر سکتا ہے، اس کا بہت جلد سائیکل کا خواب ایک حقیقت میں بدل جائیگا اس کی زندگی کی سب سے بڑی آرزو پوری ہو جائے گی۔ شادی ان کی بچپن میں ہی ہو گئی تھی اور اس کی بیوی اس کے ساتھ پھٹے پرانے کپڑے پہن کر اور روکھی سوکھی کھا کر بہت مطمئن تھی، ہو سکتا ہے اس لئے وہ مطمئن ہو کہ اسے پتہ ہی نہیں تھا کہ اچھا کھانا یا اچھے کپڑے کیا ہوتے ہیں۔

بہر حال منگلو جب بھی شام کو مزدوری سے واپس لوٹتا تو اسے پکا پکایا کھانا ملتا تھا، اور اس کی بیوی کافی دیر تک اس کا پیر بھی دباتی تھی۔ اس کے بعد دونوں لیٹ کر باتیں کرتے کرتے ایک دوسرے میں گم ہو جایا کرتے تھے۔ باتیں کیا ہوتی تھیں۔ جب وہ سائیکل خرید لے گا تو اپنی بیوی کو بیٹھا کر شہر گھمانے لے جائیگا۔ اور اس کی بیوی سائیکل پر بیٹھنے کے خیال سے خوشی سے سرشار ہو جایا کرتی تھی، وہ سوچتی تھی کہ گاؤں میں صرف اس کا کتنا مان بڑھ جائے گا، اس کے پورے گاؤں میں صرف ایک سائیکل ہے، مدن پٹواری کے پاس۔ اس کی بیوی سائیکل پر بیٹھ کر کتنا اکڑتی پھرتی ہے اس کے پاس سائیکل ہو جائے گی تو وہ بھی سائیکل پر بیٹھ کر مدن پٹواری کی بیوی کی طرح اکڑا کرے گی۔ یہ سوچ کر وہ اپنی گردن کافی اکڑا لیتی تھی، اس دولت سے بھری دنیا میں اس کی خواہش کی انتہا صرف یہی تھی۔ اس کا پتی بہت اچھا ہے اسے مارتا پیٹتا نہیں، کھانے کو اس کو روکھی سوکھی مل ہی جاتی ہے، کتنی ہنسی خوشی اس کی زندگی بیت رہی ہے بس سائیکل آجاتی تو منگلو کو آرام مل جاتا اور وہ بھی اس پر بیٹھ کر منگلو کے ساتھ خوب گھومتی۔ منگلو اس کا پتی تو تھا ہی لیکن کتنا اچھا دوست بھی تھا، سارا بچپن اور لڑکپن بھی تو اس کے ساتھ گزرا تھا۔ شروع سے آخر تک وہ صرف منگلو کو جانتی تھی اور اب منگلو کا سائیکل کا خواب اس کا بھی خواب بن گیا تھا، منگلو کی طرح سائیکل اس کے لئے بھی معراج تھی۔

آج جب دونوں میاں بیوی سونے لیٹے تو دونوں ہی کے چہروں پر تشویش کی لکیریں تھیں۔ وجہ یہ تھی کہ آج جب وہ اپنے ٹین کے ٹوٹے بکسے میں

سے روپے نکال کر گن رہے تھے۔ تو اسی وقت گاؤں کا لڑکا گھنشیام ان کی جھونپڑی میں آ گیا تھا۔ اور اس نے ان کو روپے گنتے بھی دیکھ لیا تھا۔ گھنشیام ویسے تو کافی نو عمر کا لڑکا تھا لیکن بری صحبت میں پڑ گیا تھا، کئی چھوٹی موٹی چوریوں میں اس کی کافی پٹائی بھی ہوئی تھی۔ منگلو کو نیند بالکل نہیں آ رہی تھی اور اب اس کے سر اور گردن میں بھی درد ہونے لگا تھا کیونکہ ٹین کے سخت بکسے کے اوپر وہ اپنا سر رکھے ہوئے تھا، اس کی بیوی آنکھیں بند کیے پڑی تھی، پتہ نہیں سو رہی تھی کہ جاگ رہی تھی، اور نیند جس کے بارے میں مشہور ہے کہ پھانسی کے پھندے پر بھی آ جاتی ہے، پتہ نہیں کس وقت منگلو کی آنکھ لگ گئی۔ صبح وہ جاگا تو بکس اس کے سر کے نیچے سے غائب تھا۔ اس کے پیروں سے زمین کھسک گئی۔ وہ تقریباً چیخ مار کر کھڑا ہو گیا۔ رادھا رادھا وہ ہسٹریائی انداز میں اپنی بیوی کو پکارنے لگا۔ اور پھر اسے جیسے ایکدم اطمینان نصیب ہو گیا۔ اس کی بیوی جھونپڑی کے ایک کونے میں اس ٹین کے بکسے پر اوندھی پڑی سو رہی تھی، اس نے سوچا شاید رات بھر جاگی ہے تبھی ابھی تک سو رہی ہے، اس نے آہستہ سے بکس اس کے نیچے سے نکال کر اسے ٹھیک سے لٹا دیا۔ اس کی بیوی اتنی گہری نیند سو رہی تھی کہ اتنا ہلنے ڈلنے کے باوجود بھی وہ نیند سے نہیں جاگی۔ کئی روز گزر گئے ابھی چار سو روپے نہیں جمع ہو پائے تھے، البتہ اس پر اور اس کی بیوی پر اب ہر دن طاری ہونے لگی تھی۔ رات بھر دونوں سوتے جاگتے رہتے تھے، روپیوں کی رکھوالی نے ان کی راتوں کی نیند حرام کر رکھی تھی۔ منگلو سوچتا تھا کہ کسی طرح سے چار سو روپیہ جمع ہو جائیں تا کہ وہ ان روپیوں سے نجات پا سکے، جس نے اس کا اور اس کی پتنی کا سکھ چین چھین رکھا ہے۔

آج منگلو کے پاس پورے چار سو روپیہ جمع ہو چکے تھے، اس نے روپیہ گن کر اپنی دھوتی میں اڑس لیا پھر اپنی بیوی کی طرف دیکھنے لگا۔ روپیوں کی رکھوالی کے چکر میں اس کی بیوی کا شاداب کھلا ہوا چہرہ کسی حد تک مرجھا سا گیا تھا۔ اس نے سوچا کہ جب وہ آج سائیکل لے آئے گا تو اسکی بیوی کے چہرے کی سرخی پھر لوٹ آئے گی، اور اس خیال سے اس کی رگوں میں خون کی گردش تیز ہو گئی تھی، اس نے اپنی نظریں پھر اپنی بیوی کے چہرے پر ڈال دی تھیں، اور آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھنے لگا تھا، ارے ارے اسکی بیوی نے کافی لجا کر اسے ایک ڈانٹ پلائی تھی اور اسے باہر کی طرف ڈھکیل دیا تھا، وہ کسی بچے کی طرح اچھلتا کودتا شہر جانے والی پگ ڈنڈی کی طرف مڑ گیا تھا، اسکی بیوی جھونپڑی میں واپس آ گئی تھی، شام ہو گئی تھی اس نے لالٹین جلائی منگلو کے آنے کا وقت ہو رہا تھا، وہ جھونپڑی کے دروازے پر آ کر کھڑی ہو گئی، منگلو ابھی تک نہیں آیا، روز تو اس وقت تک آ جاتا تھا، اسے تشویش ہونے لگی تھی، لیکن آج تو اسے سائیکل خریدنی تھی، اس میں دیر لگ رہی ہوگی، یہ سوچ کر اسے کچھ اطمینان ہوا، جھونپڑی کے دروازے پر کھڑے کھڑے جب وہ کافی تھک گئی، دو چار منٹ کے بعد وہ پھر جھونپڑی کے باہر نکل آئی: اور یہ دیکھ کر وہ تقریباً خوشی سے ناچ اٹھی کہ منگلو نئی چمچماتی سائیکل پر بیٹھا چلا آ رہا ہے، وہ جھونپڑی کے باہر ہی منگلو سے لپٹ گئی، ارے ارے بھیتر تو چل کوئی دیکھ لے گا، منگلو سائیکل کے ساتھ ساتھ اسے ڈھکیلتا ہوا جھونپڑی کے اندر لے آیا، اب منگلو اور اسکی بیوی دونوں سائیکل کو محبت پاش نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

سائیکل چلاتے ہوئے آئے تب بھی بڑی دیر کر دی، وہ اب منگلو سے شکایت کر رہی تھی، ارے سارے راستہ تھوڑی سائیکل چلائی، جہاں جہاں بھیڑ ہوتی تھی سائیکل سے اتر جاتا تھا، ابھی منگلو کو ٹھیک سے سائیکل چلانی نہیں آتی تھی، اب ایسا کرینگے ابھی سائیکل شہر نہیں لے جایا کرینگے، پہلے دو تین دن گاؤں میں خوب چلا لیں گے، اس کے بعد پھر شہر اس پر جائینگے، اس نے اپنی بیوی نے کہا، ٹھیک ہے پہلے خوب چلانے میں پکے ہو جاؤ پھر شہر لے جانا، اسکی بیوی نے جواب دیا تھا۔

آج منگلو سائیکل پر شہر مزدوری کرنے جا رہا تھا، ابھی وہ گربچن سنگھ کے یہاں ہی مزدوری پر جاتا تھا، ویسے اب انکا تین منزلہ مکان بھی بن چکا تھا بس چند دنوں کا کام اور رہ گیا تھا، اب اس کی سائیکل شہر کے بھیڑ بھاڑ والے علاقے میں داخل ہو گئی تھی، حالانکہ اس نے ایک ہفتہ تک گاؤں میں سائیکل چلانے کی پریکٹس کی تھی، وہ صبح تڑکے ہی اٹھ کر سائیکل چلانے لگتا تھا، اور اس سلسلے میں کافی گرتا پڑتا بھی تھا، گاؤں والے جمع ہو کر اس کا سائیکل کا چلانا دیکھتے تھے، اور پھر جب وہ گرتا تھا، تو خوب ہنستے تھے، کسی جلن یا حسد میں نہیں، کوئی گرتا ہے تو ہنسی آ ہی جاتی ہے، اور کبھی کبھی تو گاؤں والوں کے ساتھ ساتھ اسکی بیوی بھی ہنسی میں شریک ہو جاتی تھی، غرض ایک ہفتہ میں وہ کافی تجربہ کار سائیکل سوار ہو گیا تھا، اور اس وقت بھی کافی ہوشیاری سے سائیکل چلا رہا تھا، آج وہ آدھا گھنٹہ پہلے سردار جی کے یہاں پہونچ گیا تھا، آج تو بہت جلدی آ گئے سردار جی نے آنکھیں ملتے ہوئے اس سے پوچھا، اور پھر جیسے انہیں سائیکل کا دھیان آ گیا، ارے نئی سائیکل کیا تم نے خریدی، جی بابو جی منگلو نے خوش ہو کر کہا، بڑا پیسہ آ گیا سردار جی نے اپنی رائے ظاہر کی۔

منگلو کا سارا جسم پسینے سے تر تھا، آج روز سے زیادہ ہی گرمی اور دھوپ میں شدت تھی، تبھی دوپہر کے کھانا کا وقت ہو گیا، سارے مزدور اور مستری چھت سے

اتر کر نیچے آ گئے تھے، سب نے اپنے اپنے کھانے کی پوٹلیاں سنبھال لی تھیں، منگلو نے بھی اپنی پوٹلی سنبھالی، اور کھانا کھانے کے لئے بیٹھنے ہی والا تھا کہ اس نے سوچا ذرا ایک بار اپنی سائیکل کو دیکھ لیں، کتنی دیر سے اس کی پیاری پیاری سائیکل اس کے نظروں سے دور تھی، وہ نیچے سردار جی کے برآمدے میں آ گیا جہاں اس نے سائیکل رکھی تھی، اور یہ دیکھ کر اس کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی کی سائیکل وہاں نہیں کھڑی تھی، بابو جی، مالک مالک، میری سائیکل، میری سائیکل، وہ چلانے لگا تھا، سردار جی گھر کے باہر آ گئے تھے، اس کا اس طرح چلانا انہیں برا لگا، کیا بات ہے کیوں شور مچا رہے ہو، انہوں نے کڑک کے پوچھا تھا، مالک میری سائیکل یہاں نہیں ہے، منگلو گھگھیا رہا تھا، ارے سائیکل کون اٹھا لے گیا، اب سردار جی کو بھی تشویش ہوئی، مالک ہم کہہ رہے تھے کہ سائیکل اندر رکھ دیں آپ نے ہی نہیں رکھنے دی، منگلو کی آواز میں اب غم کے ساتھ غصہ بھی جھلک رہا تھا۔ سردار جی کو منگلو کا یہ انداز پسند نہیں آیا، تالہ بھی لگایا تھا کہ نہیں، ہاں بابو جی لگایا تھا، منگلو کے آنکھوں سے اب آنسو چھلکنے لگے تھے، ارے تو روتا کیوں ہے، رونے سے سائیکل کہیں مل جائیگی، جا ادھر ادھر پتہ کر اور منگلو سردار جی کے گھر کے باہر سڑکوں پر میری سائیکل میری سائیکل کی گردان کرتا ہوا ہر ایک دکاندار، راہگیر، ٹھیلے والے سب سے اپنی سائیکل کے بارے میں پوچھتا رہا، اس کی عجب حالت ہو رہی تھی، وہ بار بار اپنے بال نوچنے لگتا تھا، راہگیر کو روک روک کر پوچھ رہا تھا، بھائی صاحب، بابو جی، مالک آپ نے کسی کو ہماری سائیکل لے جاتے دیکھا، بالکل نئی سائیکل تھی ظاہر ہے کہ راہ گیر کیا بتا سکتے تھے کسی نے افسوس ظاہر کیا، کسی نے ہمدردی جتائی۔ اور کوئی ہنسا بھی، وہ دو تین گھنٹہ سائیکل کے تلاش میں بھٹکتا رہا، اس کا حلق سوکھ کر کانٹا ہو گیا تھا، پاس میں نل بھی لگا تھا۔ لیکن اسے پانی پیسے کا ہوش نہیں تھا۔ کھانے کی پوٹلی بھی اس بھاگ دوڑ میں کہیں گر گئی تھی، وہ اپنی سائیکل پانے کے لئے تڑپتا رہا لیکن ظاہر ہے اسطرح سے کہیں سائیکل ملتی ہے۔ شام کو وہ تھکا ماندا سردار جی کے گھر واپس آ گیا تھا، مالک سائیکل کہیں نہیں ملی وہ پھر رونے لگا تھا، سردار جی نے اس سے ہمدردی جتائی، گھر کے اندر چلے گئے۔ اس نے سوچا۔ وہ سردار جی سے کہے گا کہ وہ اسے ایک سائیکل دلوا دیں۔ اس کے بدلے وہ ان کی اتنے دنوں تک چاکری کرے گا کہ جب تک سائیکل کے دام نہیں ادا ہو جاتے، بلکہ اس سے بھی زیادہ دن تک ان کے یہاں کام کرے گا۔ سردار جی بھلے آدمی ہیں، اسکو ہمیشہ روز کے روز مزدوری دے دیتے تھے کبھی بھی اس کا پیسہ نہیں رکھا۔ وہ ضرور اس کی بات مان جائیں گے۔ وہ کسی حال میں بھی بغیر سائیکل گھر نہیں جانا چاہتا تھا، وہ جانتا تھا کہ سائکل کی چوری کا سن کر اس کی بیوی کا کیا حال ہو جائے گا، اور اس کی اس وقت کی تڑپ بھی صرف اپنے بیوی ہی کی وجہ سے تھی، اسے کتنا صدمہ پہونچے گا، ایک بار بھی وہ بے چاری اس کی سائیکل پر نہیں بیٹھی تھی، اس نے سوچا ابھی دکانیں کھلی ہوں گی۔ وہ سردار جی سے روپیہ لے کر سائیکل خریدتا ہوا گاؤں واپس جائے گا۔ سردار جی باہر آ گئے تھے۔ سائیکل کی چوری پر انہوں نے پھر ایک بار افسوس ظاہر کیا تھا۔ پھر جیب میں سے پرس نکال کر اس سے بولے تھے، لو یہ چھ روپے تمہارے آدھے دن کی مزدوری کے، آخر تم نے آدھے ہی دن تو کام کیا تھا، جی اس کی زبان لڑکھڑا گئی تھی۔ وہ کچھ بھی نہیں کہہ سکا۔ پتھرائی ہوئی آنکھوں سے انہیں دیکھتا رہا، پھر وہاں سے چلدیا، اب وہ اپنے گاؤں کی طرف جا رہا تھا، بہت بوجھل قدموں سے، جہاں اس کی بیوی اس کا انتظار کر رہی ہوگی۔